دل کی بات صبیح ہمدانی

جمہوریت، جبر اور تہذیب

وفاقی دارالحکومت میں گذشتہ دو ہفتوں سے جاری اوپن ایئر تھیٹر کی روزشبکو ہونے والی کھڑکی توڑ نمائش جاری ہے۔ بے شک اس میں عقل والوں کے لیے بہت کچھ سامانِ عبرت ہے۔ طاہر القادری اور عمران خان مع ساز وآواز و ہم نوا، اپنی موعودہ آزادی اور اپنا پیارا انقلاب حاصل کرنے کے لیے اسلام آباد میں جمع ہیں۔ پاکستانی ریاست کے خلاف عوام کے کسی طبقے کا یوں اکٹھا ہو جانا پہلی بار نہیں ہوا، تاہم اس بار حکومتی و ادارہ جاتی ردِ عمل البتہ نیا اور انوکھا ہے۔

پاکستان میں ریاست اور اُس کے اداروں کے خلاف عوامی احتجاج کا پہلا سب سے بڑا نمونہ ۱۹۵۳ء کی تحریکِ مقدس تحفّظِ ختمِ نبوّت کی شکل میں سامنے آیا۔ نوزائیدہ اسلامی مملکت کے مسلمان اپنے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی منصبی عزت و ناموس کی حفاظت چاہتے تھے، اس جرم میں اُن کو ریاستی استبداد کی تعزیروں کا سامنا کرنا پڑا۔ تحریک کو سختی سے کچل دیا گیا۔ مارشل لا لگایا گیا، دس ہزار مسلمانوں کو شہید کر کے لاشیں جلا کر راوی میں بہا دی گئیں۔ ساٹھ کی دہائی میں جنرل ایوب خان کی آئینی و (بنیادی) جمہوری حکومت کے خلاف عوامی احتجاج ہوا، ریاست نے ممکنہ حد تک سختی اور جبر کا مظاہرہ کیا۔ اسی دہائی کے آخر میں مشرقی پاکستان اور بلوچستان میں ریاست نے اپنی رٹ بحال رکھنے کے لیے باقاعدہ فوجی ایکشن کیے، حتی کہ مشرقی بازو کو خود سے کاٹ کر پھینک دینا بھی گوارا سمجھا گیا۔ بھٹو صاحب کے سول مارشل لا کے خلاف احتجاج ہوا یا پھر ایم آر ڈی کی تحریک چلی، جبر و تشدد اور سختی کا یہ سلسلہ ہمیں چلتا ہی نظر آتا ہے۔ یہاں تک کے ہم اکیسویں صدی میں داخل ہو کر اسلام آباد کی لال مسجد کے سامنے پہنچ جاتے ہیں۔ لال مسجد کی لالی کون بھولا ہو گا اور کون بھول سکتا ہے؟ پھر خروٹ آباد ہو سوات ہو کہ وزیرستان و خیبر و مہمند و اورکزئی، ریاست کی رٹ کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے۔

جمہوریت اپنی نہادِ حاکمیت میں کس قدر جابرانہ اور غاصبانہ نظامِ حکومت ہے، اس حقیقت کو جاننے کے لیے اسلامی جمہوریہ پاکستان کی موجودہ و گذشتہ تاریخ کا مطالعہ نہایت کافی ہو گا کیوں کہ اللہ رکھے سوہنی دھرتی بھی ایک جمہوری ریاست ہی ہے۔ لیکن اس بار حکومت طاقت کا استعمال نہیں کر رہی اور عوام کالانعام کے سامنے اپنی رٹ کو بحال کرنے میں اپنے ۶۷ برس کے ریکارڈ کے برخلاف (تا دمِ تحریر) نہایت تحمّل کا مظاہرہ کر رہی ہے۔

اس سلسلے میں ایک بنیادی بات تو یہ ہے کہ جمہوری نظامِ حکومت صرف اُس وقت ہی اپنی تشدد آمیز صلاحیتوں کو ظاہر کرتا ہے جب جمہوریت کے مقابلے میں ایک غیر جمہوری نظریہ سرگرمِ عمل ہو۔ واضح ہو کہ جمہوریت ایک خاص تہذیب کے ساتھ لازم و ملزوم ہے، جس کی اکلوتی شرط یہ ہے کہ وہ بین الاقوامی (یا مغربی، ایک ہی بات ہے) اجتماعیت کے لیے قابلِ قبول ہو۔ مثلاً اُس میں مرد و زن کا آزادانہ و مساوی اختلاط ہو، موسیقی و رقص ہو، رات کی تہذیب ہو، ہیومن رائٹس ہوں، فریڈم ہو، ٹالرنس ہو وغیرہ وغیرہ۔ پس جو شخص تہذیبی سطح پر اس سب سے موافقت کر لے گا اُس کو اپنے قول و

فعل میں جمہوری ہی سمجھا جائے گا اور اُس کو آخری درجے تک برداشت کر کے اُس کے خلاف طاقت کے استعمال کو حتی الامکان ملتوی رکھا جائے گا۔ اسی تہذیبی عمل کے مظاہر ہمیں مقیمان کنٹینر ان کے ہاں بکثرت نظر آتے ہیں ؎

دھرتی کا دل ڈول رہا ہے، وقت کا پنچھی بول رہا ہے
سورج آنکھیں کھول رہا ہے، شاعر موتی رول رہا ہے
ناچ چھنا چھن ناچ......اے تہذیب کی بیٹی
تاک دھنا دھن تاک......اے اسلاف کے وارث

دوسری بنیادی وجہ، جو درحقیقت پاکستان کی کہانی کا دیباچہ بھی ہے اور اختتامیہ بھی، پاکستان کا ہنوز سامراج کی زیرِ قبضہ مملکت ہونا ہے۔ ریاستِ پاکستان اور اس کے تمام بھاری بھرکم ادارے اپنے ماضی و حال میں اپنے مقدر کا فیصلہ کرنے کے لیے کبھی آزاد نہیں رہے۔ یہاں پر ہمیشہ وائسرائے ہی فیصلہ سازی کرتے رہے ہیں اور وائسرائے کا عہدہ عموماً ریاستی سٹیک ہولڈرز میں سے سب سے زیادہ تگڑے اور مستحکم گلو بٹ کے حوالے کیا جاتا ہے۔ موجودہ حالات کے تناظر میں ہز ایکسی لینسی وائسرائے بہادر کی شناخت کرنا تو بہت آسان ہے۔ چنانچہ دربارِ گہر بار سے جو طے ہوگا وہی عمل میں آئے گا۔ کیسی حکومت اور کیا اُس کا پارلیمان اور کیا اُس کے فیصلے۔ ہیں جی؟

کیسا دل اور کیا اُس کے غم جی
یوں ہی باتیں بناتے ہیں ہم جی

معاصر منظرنامے میں ہماری بھی کچھ امیدیں ہیں اور کچھ خواہشیں، کچھ خواب ہیں کچھ حسرتیں۔ جی ہاں! ہماری۔ ہم جو اس خطۂ ارضی کے بےنوایانِ بےنیاز و بےسروکارانِ کارِسرکار ہیں، ہمارے خواب۔ آخر خواب دیکھنے پر پابندی تو تحفظِ پاکستان آرڈیننس میں بھی نہیں لگائی گئی (از رہِ الطافِ خسروانہ)۔ یہ ملک ہمارا وطن ہے، زمین کے اس ٹکڑے سے ہماری وابستگی درباروں اور تاج وتخت سے نام وانعام پانے والوں سے بڑھ کر ہے۔ لیکن ملک اور اس کے ریاستی ڈھانچے میں فرق ہوتا ہے۔ وطن سے محبت کا مطلب ہرگز نہیں کہ ریاستی سطح پر ہر ظلم وجبر بھی روا ٹھہرے یا قابل برداشت ہو اور اس سطح پر سب سے بڑا ظلم اللہ کی حاکمیت میں شرک کا ظلم ہے، چاہے وہ جھوٹے خدا، وہ شریک، عوام ہوں یا شاہِ جمجاہ کے فرزندِ دلبند وائسرائے بہادر!۔ ہم اپنے دیالو مالک سے مایوس نہ ہونے والے، ہم حسرتی، ہم نرے خوش امید، ہم دیکھتے ہیں کہ یہ جھوٹے خدا نابود ہوتے ہیں۔ ان کی قوت ریزہ ریزہ ہوئی، ان کو پناہ دینے والا نظام اور اس کی ریاست صفحۂ روزگار سے محو ہوئی جاتی ہے۔ الٰہی! ہم جاگتے ہیں کہ خواب دیکھتے ہیں؟ کلام کرتے ہیں کہ فقط چاہتے ہیں...رہے نام اللہ کا

وصل اُس کا، خدا نصیب کرے
میرؔ، چاہتا ہے جی کیا کیا کچھ